ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2974

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(درس نظامی پروگرام)

کورس: تاریخ و تعارف اصول فقہ (2974) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ: 01 تا 04)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: فقہِ اسلامی کے پہلے دور کی خصوصیات، علمی اہمیت اور عہدِ صحابہ کے فقہی مراکز (20 نمبر)

سوال نمبر 1: فقہِ اسلامی کے پہلے دور کی نمایاں خصوصیات اور علمی اہمیت بیان کریں، نیز عہدِ صحابہ کرامؓ کے اہم فقہی مراکز کا تعارف پیش کریں۔ (20)

تعارف

فقہِ اسلامی کی تاریخ کا پہلا دور اس مبارک زمانے کو کہا جاتا ہے جس میں شریعت کے احکام نازل ہوئے، نبی کریم ﷺ نے ان کی عملی صورت امت کے سامنے پیش کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان احکام کو سیکھ کر اگلی نسل تک پہنچایا۔ عام طور پر تاریخِ فقہ کے مصنفین پہلے دور میں عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ، یعنی خلافتِ راشدہ اور اس کے بعد کے قریبی زمانے کو شامل کرتے ہیں۔ اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فقہ کی بنیاد اور اصل کا دور ہے؛ بعد کے تمام ادوار، مذاہب اور اصول اسی دور کے ذخیرے سے روشنی لیتے ہیں۔ اس سوال کے پہلے حصے میں اس دور کی نمایاں خصوصیات اور علمی اہمیت بیان کی جائے گی اور دوسرے حصے میں عہدِ صحابہ کے اہم فقہی مراکز کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا جائے گا، تاکہ طالب علم کو معلوم ہو کہ فقہ کا علم کن مقامات سے پھیلا اور کن بزرگوں کے ذریعے آگے بڑھا۔

پہلے دور کا مفہوم اور اس کی زمانی حدود

پہلے دور سے مراد وہ زمانہ ہے جب فقہ ابھی مدون علم کی صورت میں کتب میں مرتب نہیں ہوئی تھی بلکہ زندگی کے اندر جاری و ساری تھی۔ عہدِ نبوی میں ہر نئے مسئلے کا حکم وحی کے ذریعے آتا یا نبی کریم ﷺ کا قول، فعل اور تقریر اس کی رہنمائی کرتا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب نئے علاقے فتح ہوئے اور نئے مسائل پیدا ہوئے تو صحابہ کرام نے کتاب و سنت کی روشنی میں اجماع اور اجتہاد سے ان کا حل پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کو دورِ تاسیس بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اسی میں فقہ کے بنیادی مصادر متعین ہوئے، اجتہاد کا عملی نمونہ قائم ہوا اور فقہی ذوق کی وہ تربیت ہوئی جس پر بعد کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ اس دور کے مطالعے کے بغیر فقہ کے ارتقا کو سمجھنا ممکن نہیں۔

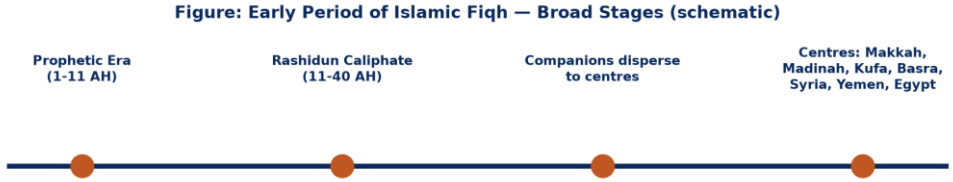
نمایاں خصوصیت: وحی اور رسالت کی براہِ راست رہنمائی

پہلے دور کی پہلی اور سب سے نمایاں خصوصیت براہِ راست وحی کی موجودگی ہے۔ عہدِ نبوی میں قانون سازی کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس تھا اور نبی کریم ﷺ شارع کے احکام کے مبلغ اور معلم تھے۔ احکام تدریجاً نازل ہوئے؛ پہلے ایمان اور اخلاق کی بنیاد مضبوط کی گئی، پھر عبادات، معاملات اور معاشرتی احکام مرحلہ وار آئے۔ اس تدریج سے احکام لوگوں کے مزاج اور زندگی کا حصہ بنتے گئے۔ صحابہ کرام کا امتیاز یہ تھا کہ انہوں نے احکام کو صرف سنا نہیں بلکہ ان کے نزول کے پس منظر، موقع اور مقصد کو بھی دیکھا اور

سمجھا۔ یہی مشاہدہ بعد میں ان کے فقہی فہم کی گہرائی کا سبب بنا۔ اس براہِ راست نسبت کی وجہ سے اس دور کی فقہ میں یقین، اطمینان اور عمل کی وہ کیفیت پائی جاتی ہے جو کسی اور دور میں ممکن نہیں۔

دوسری خصوصیات: سادگی، قلتِ اختلاف اور عملی زندگی سے قریبی تعلق

اس دور کی دوسری نمایاں خصوصیات میں احکام کی سادگی اور زندگی سے قریبی تعلق شامل ہے۔ مسائل فرضی اور نادر الوقوع نہیں تھے بلکہ جو مسئلہ پیش آتا اسی کا حل پوچھا اور دیا جاتا۔ فقہی اختلاف موجود تھا مگر محدود اور اصولوں کے اندر تھا، کیونکہ صحابہ کا مقصد حق تک پہنچنا تھا، اپنی رائے کی جیت نہیں۔ اختلاف کی صورت میں بھی ادب، رواداری اور دلیل کی طرف رجوع کا ماحول قائم رہتا۔ اس دور میں فتویٰ اور قضا کا نظام سادہ تھا؛ مفتی اور قاضی وہی بزرگ ہوتے جن کی علمی اور اخلاقی حیثیت مسلم ہوتی۔ تحریر و تدوین کا باقاعدہ دور ابھی شروع نہیں ہوا تھا، تاہم قرآن مجید کی کتابت، بعض احادیث کی تحریر اور سرکاری خطوط کی صورت میں تحریری روایت کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ مجموعی طور پر یہ دور لفظی موشگافیوں کے بجائے مقصد، عمل اور تقویٰ کا دور تھا۔



شکل 1: فقہِ اسلامی کے پہلے دور کے وسیع مراحل — خاکہ

علمی اہمیت: بعد کے تمام ادوار کی بنیاد

پہلے دور کی علمی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ اصولِ فقہ کے تمام بنیادی تصورات اسی دور کے عمل سے اخذ کیے گئے ہیں۔ کتاب و سنت کا مقام، اجماع کی حجیت، قیاس اور اجتہاد کی ضرورت، قولِ صحابی کی حیثیت اور مصالح کا لحاظ — یہ سب بعد میں اصول کی کتابوں میں مرتب ہوئے مگر ان کی عملی شکل صحابہ کے طرزِ عمل میں موجود تھی۔ اسی

طرح فقہی مذاہب کے ائمہ نے اپنے مناہج کی بنیاد صحابہ کے آثار اور ان کے فقہی مراکز کی روایات پر رکھی؛ مثلاً کوفہ کی روایت فقہِ حنفی کی اور مدینہ کی روایت فقہِ مالکی کی تشکیل میں نمایاں نظر آتی ہے۔ جو شخص اس دور کو نہیں سمجھتا وہ بعد کے فقہی اختلاف کی وجوہ بھی نہیں سمجھ سکتا، کیونکہ اکثر اختلاف کی جڑ اسی دور کے مختلف مراکز، روایات اور اجتہادی ذوق میں ملتی ہے۔ لہٰذا تاریخِ فقہ کا مطالعہ ہمیشہ اسی دور سے شروع کیا جاتا ہے۔

عہدِ صحابہ کے اہم فقہی مراکز: پس منظر

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام مختلف علاقوں میں معلم، قاضی، گورنر اور سپہ سالار کی حیثیت سے گئے تو جہاں جہاں وہ مقیم ہوئے وہاں علم کے حلقے قائم ہو گئے۔ اس طرح مدینہ منورہ کے علاوہ مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور مصر فقہ کے اہم مراکز بن گئے۔ ہر مرکز کی اپنی علمی فضا تھی: کہیں حدیث و آثار کی کثرت تھی، کہیں نئے پیش آنے والے مسائل کی وجہ سے رائے اور قیاس کا رنگ نمایاں تھا۔ یہی تنوع بعد کی فقہی روایات کی بنیاد بنا۔ مراکز کا تعارف محض جغرافیائی معلومات نہیں بلکہ یہ بتاتا ہے کہ علم کس طرح اشخاص، ماحول اور مقامی ضروریات کے ساتھ مل کر آگے بڑھتا ہے اور ہر مرکز کی روایت اگلی نسل کے تابعین تک کن ذرائع سے منتقل ہوئی۔

جدول 1: عہدِ صحابہ کے اہم فقہی مراکز اور ان کی نمایاں خصوصیات

مرکز	نمایاں صحابہ / روایت	علمی خصوصیت
مدینہ منورہ	حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سمیت کبار صحابہ	سنت و آثار کا مرکزی ذخیرہ؛ اہلِ مدینہ کے عمل کی روایت
مکہ مکرمہ	حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	تفسیر و فقہ کی درس گاہ؛ ابن عباس کے تلامذہ کی روایت
کوفہ	حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	نئے مسائل میں اجتہاد و رائے کی مضبوط روایت؛ بعد میں فقہِ حنفی کا مرکز

حدیث و فقہ کی سرگرم روایت؛ اہلِ عراق کے مراکز میں سے ایک	حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما	بصرہ
قضا و تعلیم کی روایت؛ شامی فقہی ذوق کی بنیاد	حضرت معاذ بن جبل (یمن کی طرف بھی ان کی نسبت مشہور ہے)، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما	شام
دور دراز علاقوں تک کتاب و سنت کی تعلیم کی اشاعت	یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تعلیمی خدمات؛ مصر میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سمیت صحابہ	یمن و مصر

مراکز کے باہمی تعلق اور اثرات

یہ مراکز ایک دوسرے سے کٹے ہوئے نہیں تھے۔ حج کے موسم، سفروں اور خط کتابت کے ذریعے علمی رابطہ قائم رہتا؛ کسی مرکز میں پیدا ہونے والا مسئلہ اور اس کا حل دوسرے مراکز تک بھی پہنچتا۔ خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطوط اور ہدایات کے ذریعے قاضیوں اور گورنروں کی رہنمائی کرتے، جس سے مختلف علاقوں کے فقہی عمل میں ایک عمومی وحدت بھی قائم رہی۔ تاہم ہر مرکز کے مقامی حالات، دستیاب روایات اور مفتیانِ کرام کے ذوق کا فرق بھی باقی رہا۔ یہی وحدت اور تنوع کا حسین امتزاج فقہِ اسلامی کی وسعت کی بنیاد ہے۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ اختلاف کو ہمیشہ پس منظر سمیت دیکھنا چاہیے؛ بغیر پس منظر کے اختلاف محض بحث بن جاتا ہے اور پس منظر کے ساتھ وہ علم و فہم کا ذریعہ بنتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ فقہِ اسلامی کا پہلا دور وحی کی براہِ راست رہنمائی، صحابہ کی عملی تربیت، سادگی، اخلاص اور مسئلے کے حل کی سنجیدہ کوشش کا دور تھا۔ اس کی علمی اہمیت اس لیے مسلم ہے کہ بعد کے تمام فقہی و اصولی ارتقا کی بنیاد یہی دور ہے۔ عہدِ صحابہ میں مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور مصر جیسے مراکز نے علم کو منظم حلقوں کی صورت دی اور ہر مرکز نے اپنی روایت اگلی نسل تک پہنچائی۔ ان مراکز اور ان کی خصوصیات کو سمجھے بغیر نہ مذاہبِ فقہیہ کی تشکیل سمجھ میں آتی ہے اور نہ اصولِ فقہ کی تاریخ۔ اس لیے اس دور کا مطالعہ ہر طالبِ علم کے لیے محض تاریخی معلومات نہیں بلکہ فقہی فہم کی کنجی ہے۔

سوال نمبر 2: فقہ، اصولِ فقہ، دلیلِ تفصیلی و جزئی اور دلیلِ اجمالی — وضاحت اور باہمی فرق (20 نمبر)

سوال نمبر 2: فقہ، اصولِ فقہ، دلیلِ تفصیلی و جزئی اور دلیلِ اجمالی کی وضاحت کریں اور ان کے باہمی فرق کو مثالوں کے ساتھ واضح کریں۔ (20)

تعارف

اصولِ فقہ کے مطالعے کی ابتدا چند بنیادی اصطلاحات کی درست سمجھ سے ہوتی ہے، کیونکہ جب تک فقہ، اصولِ فقہ اور دلیل کی اقسام کا فرق واضح نہ ہو، آگے کے تمام مباحث دھندلے رہتے ہیں۔ فقہ عملی احکام کا علم ہے، اصولِ فقہ ان احکام تک پہنچنے کے قواعد کا علم ہے، اور دلیل وہ ذریعہ ہے جس سے حکم ثابت ہوتا ہے۔ دلیل کی دو مشہور قسمیں دلیلِ تفصیلی، جسے جزئی بھی کہا جاتا ہے، اور دلیلِ اجمالی ہیں۔ اس جواب میں پہلے ہر اصطلاح کی لغوی و اصطلاحی وضاحت کی جائے گی، پھر ان کے باہمی فرق کو جدول اور مثالوں کے ذریعے واضح کیا جائے گا، تاکہ طالب علم کسی بھی فقہی بحث میں یہ پہچان سکے کہ کلام حکم کے بارے میں ہے، قاعدے کے بارے میں ہے یا دلیل کی کسی خاص صورت کے بارے میں۔

فقہ کی تعریف

فقہ لغت میں کسی چیز کو اچھی طرح سمجھنے اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں فقہ سے مراد شرعی عملی احکام کا وہ علم ہے جو ان کی تفصیلی دلیلوں سے حاصل کیا جائے۔ اس تعریف کے کئی اجزا غور طلب ہیں: اول یہ کہ فقہ کا تعلق عملی احکام سے ہے، یعنی نماز، روزہ، زکاۃ، خرید و فروخت، نکاح اور اسی قسم کے افعال کے احکام؛ عقائد کا علم اس سے الگ ہے۔ دوم یہ کہ یہ احکام دلیلوں سے حاصل کیے جاتے ہیں، یعنی محض رائے یا خواہش کافی نہیں۔ سوم یہ کہ دلیلیں تفصیلی ہوتی ہیں، یعنی ہر مسئلے کی اپنی دلیل موجود ہوتی ہے۔ جو شخص ان احکام کو دلیلوں سمیت جانتا اور نئے مسائل میں ان کا اطلاق کر سکتا ہے اسے فقیہ کہا جاتا ہے۔ فقہ انسان کی روزمرہ زندگی کو شریعت کی روشنی میں منظم کرنے کا علم ہے۔

اصولِ فقہ کی تعریف اور اس کا موضوع

اصولِ فقہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے: اصول، اصل کی جمع، جس کے معنی بنیاد کے ہیں، اور فقہ جس کی تعریف اوپر گزر چکی۔ اصطلاح میں اصولِ فقہ ان اجمالی دلائل اور قواعد کا علم ہے جن کے ذریعے تفصیلی شرعی احکام تک پہنچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کا موضوع دلیل اور حکم ہے، اس حیثیت سے کہ دلیل سے حکم کیسے ثابت ہوتا ہے اور حکم دلیل پر کیسے مرتب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ جاننا کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے، نہی حرمت کے لیے ہوتی ہے، عام اپنے عموم پر باقی رہتا ہے جب تک مخصص نہ آئے — یہ سب اصولِ فقہ کے قواعد ہیں۔ فقیہ انہی قواعد کو استعمال کر کے کتاب و سنت سے احکام اخذ کرتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اصولِ فقہ فقیہ کا آلہ اور مجتہد کا ہتھیار ہے؛ اس کے بغیر استنباط منظم نہیں رہتا۔

دلیل کی تعریف اور دلیلِ تفصیلی و جزئی

دلیل لغت میں رہنمائی کرنے والی چیز کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ چیز ہے جس پر صحیح غور کرنے سے کسی شرعی حکم تک پہنچا جا سکے۔ دلیلِ تفصیلی وہ خاص دلیل ہے جو کسی معین مسئلے کے حکم کو بتائے؛ اسے جزئی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق کسی جزئی، یعنی مخصوص، مسئلے سے ہوتا ہے۔ مثلاً نماز کے وجوب کے لیے قرآن مجید کی وہ آیات جو نماز

قائم کرنے کا حکم دیتی ہیں، زکاۃ کے کسی خاص نصاب کے لیے متعلقہ احادیث، یا چوری کی حد کے لیے اس کی مخصوص دلیل — یہ سب تفصیلی دلیلیں ہیں۔ فقہ کی کتابیں انہی تفصیلی دلیلوں سے بھری ہوتی ہیں، کیونکہ ہر باب میں ہر مسئلے کے ساتھ اس کی دلیل ذکر کی جاتی ہے۔ فقیہ کا اصل کام انہی دلیلوں کو سمجھنا، ان میں ظاہری تعارض ہو تو اسے اصولوں کی روشنی میں دور کرنا اور ان سے حکم اخذ کرنا ہے۔

دلیلِ اجمالی کی تعریف

دلیلِ اجمالی وہ عمومی دلیل ہے جو کسی ایک معین مسئلے کے لیے خاص نہ ہو بلکہ بہت سے مسائل کے لیے بنیاد بنے۔ کتاب یعنی قرآن مجید بحیثیتِ مجموعی، سنت بحیثیتِ مجموعی، اجماع اور قیاس — یہ سب اجمالی دلیلیں ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک سے بے شمار احکام نکلتے ہیں۔ اجمالی دلیل کو کلی دلیل بھی کہا جا سکتا ہے: یہ بتاتی ہے کہ احکام کہاں سے لیے جائیں گے، جبکہ یہ نہیں بتاتی کہ فلاں خاص مسئلے کا حکم کیا ہے۔ اصولِ فقہ کی بحث عموماً انہی اجمالی دلیلوں کے گرد گھومتی ہے: ان کی حجیت کیا ہے، ان کے مراتب کیا ہیں، ان سے استدلال کی شرائط کیا ہیں اور تعارض کی صورت میں ترجیح کیسے دی جائے گی۔ اس فرق کو یوں سمجھیے کہ اجمالی دلیل دریا کا سرچشمہ ہے اور تفصیلی دلیل اس سے نکلنے والی نہر کی ایک شاخ ہے جو کسی ایک کھیت، یعنی ایک مسئلے، تک پانی پہنچاتی ہے۔

جدول 1: فقہ، اصولِ فقہ اور دلیل کی اقسام کا باہمی فرق

پہلو	فقہ	اصولِ فقہ / دلیلِ اجمالی	دلیلِ تفصیلی و جزئی
موضوع	عملی شرعی احکام	احکام اخذ کرنے کے قواعد اور عمومی دلائل	کسی معین مسئلے کی خاص دلیل
سوال	اس مسئلے کا حکم کیا ہے؟	حکم کہاں سے اور کیسے لیا جائے؟	اس مسئلے کی دلیل یہ خاص نص ہے
مثال	نماز فرض ہے؛ زکاۃ فرض ہے	کتاب، سنت، اجماع، قیاس حجت ہیں؛	نماز کے وجوب کی مخصوص آیت و

احادیث	امر وجوب کے لیے ہے		
ایک حکم کا ثبوت	استنباط کا منہج	احکام کا مجموعہ	حاصل

مثالوں سے مزید وضاحت

ایک مثال سے پورا نقشہ واضح ہو جاتا ہے۔ فرض کیجیے مسئلہ یہ ہے کہ وتر کی نماز کا حکم کیا ہے۔ دلیلِ اجمالی کی سطح پر یہ طے ہو گا کہ اس مسئلے کا جواب کتاب و سنت سے لیا جائے گا اور قیاس و اجماع کی شرائط کیا ہیں۔ دلیلِ تفصیلی کی سطح پر اس مسئلے سے متعلق خاص احادیث جمع کی جائیں گی اور ان کے الفاظ و سیاق پر غور ہو گا۔ اصولِ فقہ کی سطح پر یہ قواعد کام آئیں گے کہ کسی فعل پر مداومت کیا بتاتی ہے، امر کا صیغہ ہو تو اس کا کیا درجہ ہے اور خبرِ واحد سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد فقہ کی سطح پر حکم مرتب ہو گا۔ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ چاروں اصطلاحات ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ایک ہی علمی عمل کے مختلف مراحل ہیں: سرچشمہ، قاعدہ، خاص دلیل اور پھر حکم۔ طالب علم اگر ہر بحث کو اس کے درست مرحلے میں رکھے تو اکثر الجھنیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

اس فرق کو جاننے کی عملی اہمیت

اس فرق کی اہمیت صرف امتحانی نہیں، عملی بھی ہے۔ جب کوئی شخص کسی مسئلے میں اختلاف دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اختلاف حکم میں ہے، دلیل کے فہم میں ہے یا قاعدے کے اطلاق میں۔ بہت سی بحثیں اس لیے طول پکڑتی ہیں کہ ایک فریق تفصیلی دلیل پیش کر رہا ہوتا ہے اور دوسرا اجمالی قاعدہ، اور دونوں اپنے اپنے مقام پر درست ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھتے۔ اسی طرح مقلد اور طالب علم کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ فقہ کی کتاب کا حکم محض دعویٰ نہیں بلکہ اس کے پیچھے تفصیلی دلیل اور اس دلیل کے پیچھے اصولی قاعدہ کھڑا ہے۔ یہی شعور اندھی تقلید اور بے لگام رائے، دونوں انتہاؤں سے بچاتا ہے اور دینی علم کو اس کی سنجیدہ ترتیب کے ساتھ سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ عملی احکام کا علم ہے جو تفصیلی دلیلوں سے حاصل ہوتا ہے؛ اصولِ فقہ ان قواعد اور اجمالی دلیلوں کا علم ہے جن سے احکام اخذ کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے؛ دلیلِ تفصیلی یا جزئی کسی معین مسئلے کی خاص دلیل ہے اور دلیلِ اجمالی وہ عمومی سرچشمہ ہے جس سے بے شمار احکام نکلتے ہیں۔ یہ چاروں آپس میں مربوط ہیں: اجمالی دلیل سمت دیتی ہے، اصولی قاعدہ راستہ بناتا ہے، تفصیلی دلیل خاص حکم تک پہنچتی ہے اور مجتہد اس حکم کو زندگی کے عمل کی صورت دیتا ہے۔ اس نقشے کو ذہن میں رکھ کر اصولِ فقہ کی کوئی بھی کتاب پڑھی جائے تو اس کے ابواب — کتاب، سنت، اجماع، قیاس، امر و نہی، عام و خاص — سب اپنی اپنی جگہ پر واضح نظر آنے لگتے ہیں۔

سوال نمبر 3: فقہِ اسلامی کے پہلے دور کی خوبیاں اور دورِ صحابہ کے اہم فقہی مراکز پر نوٹ (20 نمبر)

سوال نمبر 3: فقہِ اسلامی کے پہلے دور کی خوبیاں بیان کریں نیز دورِ صحابہ کے اہم فقہی مراکز پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف — سوال کی نوعیت پر ایک نوٹ

نوٹ: چھپے ہوئے سوالیہ پرچے میں سوال نمبر 1 اور سوال نمبر 3 کا موضوع قریب قریب ہے؛ پہلے سوال میں پہلے دور کی خصوصیات، اس کی علمی اہمیت اور مراکز کا تعارف مطلوب تھا، جبکہ اس سوال میں پہلے دور کی خوبیاں اور دورِ صحابہ کے اہم فقہی مراکز پر نوٹ مطلوب ہے۔ اس لیے اس جواب میں زور ان خوبیوں اور اخلاقی و علمی اوصاف پر دیا گیا ہے جنہوں نے اس دور کو ممتاز کیا، اور مراکز پر تفصیلی نوٹ الگ الگ لکھے گئے ہیں تاکہ دونوں سوالوں کے جواب اپنی جگہ مکمل رہیں اور طالب علم دونوں زاویوں کو الگ الگ سمجھ سکے۔ خوبیاں دراصل خصوصیات کا وہ پہلو ہیں جو اس دور کے ماحول، مزاج اور روح کو ظاہر کرتی ہیں: اخلاص، تقویٰ، عمل، سادگی اور حق کی طلب۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے یہ دور بعد کے تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ قرار پایا۔

پہلی خوبی: اخلاص اور للّٰہیت

پہلے دور کی سب سے بڑی خوبی اخلاص تھی۔ صحابہ کرام علم کو دنیوی جاہ، مال یا شہرت کے لیے نہیں بلکہ رضائے الٰہی اور دین کی خدمت کے لیے حاصل کرتے اور آگے پہنچاتے تھے۔ فتویٰ دینے میں وہ غیر معمولی احتیاط کرتے۔ جس مسئلے کا علم نہ ہوتا اسے دوسرے اہلِ علم کی طرف بھیجنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ یہ اخلاص فقہ کو بحث و جدل کے بجائے عبادت اور ذمہ داری بناتا تھا۔ اس خوبی کا اثر یہ ہوا کہ ان کے اقوال و فتاویٰ میں نفسانیت کا شائبہ کم سے کم رہا اور اختلاف کے باوجود دل ایک دوسرے سے صاف رہے۔ آج کے طالب علم کے لیے اس دور کا پہلا سبق یہی ہے کہ علم کی قدر اس کے اخلاص سے بڑھتی ہے اور جس علم کے ساتھ للّٰہیت نہ ہو وہ روشنی کے بجائے حجاب بھی بن سکتا ہے۔

دوسری اور تیسری خوبی: علم کے ساتھ عمل اور تقویٰ

اس دور کی دوسری خوبی علم اور عمل کا ساتھ تھا۔ صحابہ جو سیکھتے اس پر عمل کرتے اور جو حکم آتا اسے زندگی میں اتارنے کی کوشش کرتے؛ فقہ ان کے نزدیک کاغذی معلومات کا نام نہیں بلکہ جینے کا طریقہ تھا۔ تیسری خوبی تقویٰ اور خدا خوفی تھی جس نے انہیں فتویٰ اور قضا میں حد درجہ محتاط بنایا۔ وہ جانتے تھے کہ مفتی شریعت کی طرف سے دستخط کرنے والا ہوتا ہے، اس لیے جلد بازی، خواہش کی پیروی اور ناموافق بات کو چھپانا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ اس تقویٰ کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ وہ نئے مسئلے میں پہلے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے، نہ ملتا تو مشورہ کرتے اور پھر بھی احتیاط کے ساتھ اجتہاد کرتے۔ علم، عمل اور تقویٰ کے اس امتزاج نے فقہ کو محض قانون نہیں رہنے دیا بلکہ اسے روحانیت سے جڑی ہوئی عملی رہنمائی بنا دیا۔

چوتھی اور پانچویں خوبی: سادگی اور اختلاف میں ادب

چوتھی خوبی سادگی تھی: مسائل زندگی سے جڑے ہوتے، اندازِ بیان صاف ہوتا اور فقہی اصطلاحات کی پیچیدگی ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پانچویں خوبی اختلاف میں ادب اور وسعتِ قلب تھی۔ صحابہ کے درمیان فقہی اختلاف ہوا مگر اس نے نہ دشمنی پیدا کی نہ فرقہ بندی؛ ہر ایک دوسرے کے اجتہاد کا احترام کرتا کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ نیت حق تک پہنچنا ہے۔ اختلاف کی بنیاد عموماً روایت کے پہنچنے یا نہ پہنچنے، نص کے فہم یا مقامی حالات کے فرق پر ہوتی، اور جیسے ہی دلیل واضح ہوتی رائے سے رجوع بھی کر لیا جاتا۔ یہ

ماحول فقہ کی تاریخ کا سنہرا باب ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ علمی اختلاف اگر اخلاق کے دائرے میں رہے تو رحمت بنتا ہے اور اگر اخلاق سے نکل جائے تو فتنہ بن جاتا ہے۔

انہی خوبیوں کی وجہ سے پہلے دور کی فقہ آج بھی تازہ اور قابلِ تقلید محسوس ہوتی ہے۔

نوٹ: مدینہ منورہ کا مرکز

مدینہ منورہ دورِ صحابہ کا مرکزی فقہی مرکز تھا، کیونکہ یہ دارالہجرہ، وحی کے نزول کی جگہ اور خلافتِ راشدہ کا دارالحکومت رہا۔ یہاں کبار صحابہ کی بڑی جماعت مقیم رہی اور ان سے تابعین نے علم حاصل کیا۔ مدینہ کی خصوصیت سنت و آثار کی کثرت اور اہلِ مدینہ کا متوارث عملی معمول تھا، جسے بعد میں امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی فقہ کی بنیادوں میں نمایاں جگہ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قضا و فتویٰ کی تنظیم اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے فقہا کی موجودگی نے مدینہ کو مرجع عام بنا دیا تھا۔ دور دراز سے سوالات یہاں آتے اور یہاں کے فتاویٰ کی پیروی کی جاتی۔ مدینہ کی روایت کا مزاج نصوص اور آثار سے گہری وابستگی اور رائے میں احتیاط تھا، اور یہی مزاج اس مرکز کی پہچان بنا۔

نوٹ: مکہ مکرمہ اور کوفہ کے مراکز

مکہ مکرمہ کا مرکز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی شخصیت کے گرد قائم تھا، جنہیں تفسیر و فقہ میں امت کا استاد مانا جاتا ہے۔ ان کے شاگردوں نے مکہ کی روایت کو آگے بڑھایا اور یہ مرکز خصوصاً تفسیر، مناسک اور فقہی تربیت کے لیے مشہور رہا۔ کوفہ کا مرکز اس سے مختلف مزاج کا حامل تھا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت یہاں پروان چڑھی، اور چونکہ کوفہ نئی آبادیوں اور دور دراز سرحدوں کا شہر تھا جہاں روز نئے مسائل پیش آتے تھے، اس لیے یہاں اجتہاد، رائے اور قیاس کی روایت مضبوط ہوئی۔ بعد میں یہی کوفہ فقہِ حنفی کا گہوارہ بنا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس اسی روایت کی توسیع تھی۔ دونوں مراکز کا فرق دراصل ماحول اور ضروریات کا فرق تھا، اور فقہ کی وسعت اسی فرق کی مرہونِ منت ہے۔

نوٹ: بصرہ، شام، یمن اور مصر کے مراکز

بصرہ میں حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سمیت کئی صحابہ کی علمی خدمات سے حدیث و فقہ کا اہم مرکز قائم ہوا جو اہلِ عراق کی دونوں بڑی روایتوں میں سے ایک تھا۔ شام میں صحابہ کی ایک جماعت نے قضا و تعلیم کے ذریعے وہاں کی فقہی بنیاد رکھی اور شامی روایت اپنے مخصوص مسائل کے ساتھ آگے بڑھی۔ یمن کی طرف حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو معلم و قاضی بنا کر بھیجنا اس بات کی علامت ہے کہ دور دراز علاقوں میں بھی باقاعدہ تعلیم کا اہتمام تھا، اور انہی کی نسبت سے اجتہاد کے مشہور اصولی منہج کی عملی مثال بیان کی جاتی ہے۔ مصر میں فتح کے بعد مقیم صحابہ نے وہاں کے باشندوں کو دین سکھایا اور یہ مرکز بعد کے ادوار میں بھی علم کا گڑھ رہا۔ ان مراکز کی مشترکہ خوبی یہ تھی کہ ہر جگہ علم کے ساتھ کردار کی تعلیم بھی تھی۔

جدول 1: پہلے دور کی خوبیاں — خلاصہ

طالب علم کے لیے سبق	منظر	خوبی
علم رضائے الٰہی کے لیے ہو	فتویٰ میں احتیاط؛ نہ جاننے پر رجوع	اخلاص
فقہ جینے کا طریقہ ہے	حکم آتے ہی عملی اطلاق	علم مع عمل
جلد بازی اور خواہش سے اجتناب	قضا و فتویٰ میں خدا خوفی	تقویٰ
پیچیدگی کے بجائے وضاحت	زندگی سے جڑے مسائل؛ صاف بیان	سادگی
اختلاف رحمت ہے، فتنہ نہیں	دلیل آنے پر رجوع؛ باہمی احترام	اختلاف میں ادب

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ فقہِ اسلامی کے پہلے دور کی خوبیاں اس کے علمی نظام سے زیادہ اس کے مزاج میں نظر آتی ہیں: اخلاص، علم کے ساتھ عمل، تقویٰ، سادگی اور اختلاف میں ادب۔ یہ اوصاف جہاں بھی ہوں علم زندہ اور نافع رہتا ہے۔ دورِ صحابہ کے مراکز — مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور مصر — نے انہی خوبیوں کے ساتھ علم کو اگلی نسلوں تک پہنچایا اور ہر مرکز نے اپنے ماحول کے مطابق فقہی روایت کی تشکیل کی۔ ان مراکز کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ فقہ کی تاریخ صرف کتابوں کی تاریخ نہیں بلکہ اشخاص، اخلاق اور ماحول کی تاریخ بھی ہے، اور جو طالب علم اس روح کو سمجھ لیتا ہے وہ فقہ کو اس کے اصل مزاج کے ساتھ سیکھتا ہے۔

سوال نمبر 4: فقہِ حنفی کا تعارف — بنیادی اصول، امتیازی خصوصیات اور فقہی منہج (20 نمبر)

سوال نمبر 4: فقہِ حنفی کا تفصیلی تعارف پیش کرتے ہوئے اس کے بنیادی اصول، امتیازی خصوصیات اور فقہی منہج پر روشنی ڈالیں۔ (20)

تعارف

فقہِ حنفی دنیا میں سب سے زیادہ پیروکار رکھنے والے فقہی مذاہب میں سے ہے اور اس کی نسبت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کی طرف ہے جو کوفہ کے رہنے والے اور تابعین کے دور کے بزرگ تھے۔ یہ فقہ محض ایک شخص کی آراء کا مجموعہ نہیں بلکہ کوفہ کی اس فقہی روایت کی مرتب صورت ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے شروع ہو کر کئی نسلوں کے علماء سے گزرتی ہوئی امام صاحب تک پہنچی اور ان کے شاگردوں کے ذریعے مدون ہوئی۔ اس سوال میں فقہِ حنفی کا تعارف، اس کے بنیادی اصول، امتیازی خصوصیات اور فقہی منہج بیان کیا جائے گا۔ جواب کو خالص علمی اور تعریفی انداز میں رکھا گیا ہے؛ کسی فقہی حکم کا کسی فرد یا معاملے پر اطلاق متعلقہ اہلِ علم کا کام ہے، یہاں مقصد صرف اس مکتب کے نظام کو سمجھنا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور کوفہ کا علمی ماحول

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا ابتدائی دور ہے۔ کوفہ اس وقت علم کا بڑا شہر تھا جہاں صحابہ و تابعین کی روایتیں، نئے آباد ہونے والے مختلف علاقوں کے لوگ اور دور دراز سے آنے والے مسائل جمع ہوتے تھے۔ مدینہ کے برعکس یہاں ہر مسئلے کی روایت دستیاب نہیں ہوتی تھی، اس لیے مسائل کے حل میں کتاب و سنت کے اصولوں کی روشنی میں قیاس اور غور و فکر کی ضرورت زیادہ پڑتی تھی۔ امام صاحب نے فقہ کی مجلس قائم کی جہاں مسائل پیش ہوتے، بحث ہوتی اور متفقہ یا غالب رائے کو ضبط کیا جاتا۔ ان کے مشہور شاگردوں میں امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہما اللہ نمایاں ہیں، جنہوں نے اس فقہ کی تدوین و اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اسی مجلس اور تدوین نے فقہِ حنفی کو ایک منظم مکتب کی صورت دی۔

بنیادی اصول: کتاب و سنت اور اجماع

فقہِ حنفی کے بنیادی اصولوں میں سب سے پہلے کتاب اللہ ہے: قرآن مجید کے احکام کو اصل مانا جاتا ہے اور اس کے کسی حکم کو کسی کم درجے کی دلیل سے منسوخ یا محدود کرنے میں سخت احتیاط کی جاتی ہے۔ دوسرا اصول سنت ہے: احادیث کی درجہ بندی، یعنی متواتر، مشہور اور خبرِ واحد، حنفی اصول کی نمایاں بحث ہے اور ہر درجے کا حکم الگ رکھا گیا ہے۔ تیسرا اصول اجماع ہے: امت کے علماء کا کسی حکم پر اتفاق حجت مانا جاتا ہے۔ چوتھا مقام قولِ صحابی کو بھی دیا جاتا ہے خصوصاً جہاں مسئلہ قیاس سے حل نہ ہو سکتا ہو۔ ان اصولوں کی ترتیب اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ حنفی منہج نصوص کو بنیاد بناتا ہے اور اسی بنیاد پر آگے بڑھتا ہے۔ ان اصولوں کی تفصیل اصولِ فقہ کی حنفی کتابوں میں باقاعدہ ابواب کی صورت میں موجود ہے۔

بنیادی اصول: قیاس، استحسان اور عرف

جہاں نص اور اجماع سے حکم نہ ملے وہاں فقہِ حنفی میں قیاس کو باقاعدہ اور وسیع پیمانے پر استعمال کیا گیا ہے: نئے مسئلے کو علت کی بنیاد پر اس مسئلے سے جوڑا جاتا ہے جس کا حکم نص میں موجود ہو۔ تاہم جہاں قیاس کے ظاہری اطلاق سے حرج یا نص و مصلحت سے ٹکراؤ پیدا ہو وہاں استحسان کے اصول سے کسی مضبوط تر دلیل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے؛

استحسان خواہش کا نام نہیں بلکہ دلیل کی بنیاد پر قیاسِ جلی کو چھوڑ کر مناسب تر حکم اختیار کرنے کا نام ہے۔ اسی طرح عرف، یعنی لوگوں کے معروف معمول، کو بھی فقہِ حنفی میں خاص اہمیت حاصل ہے خصوصاً معاملات میں، کیونکہ بہت سے احکام کی تفصیل عرف پر مبنی ہوتی ہے۔ قیاس، استحسان اور عرف کے اس متوازن استعمال نے اس فقہ کو بدلتے حالات میں مسائل حل کرنے کی خاص صلاحیت عطا کی ہے۔

جدول 1: فقہِ حنفی کے بنیادی اصول — ترتیب وار خلاصہ

اصول	مفہوم	کردار
کتاب	قرآنِ مجید کے احکام	سب سے پہلی اور قطعی بنیاد
سنت	احادیث، درجہ بندی سمیت	کتاب کی تبیین اور مستقل ماخذ
اجماع	علماء کا اتفاق	اختلاف سے اوپر کی حجت
قولِ صحابی / قیاس	صحابی کا قول؛ علت پر مبنی الحاق	نئے مسائل کا حل
استحسان و عرف	مضبوط دلیل پر ترجیح؛ معروف معمول	حرج کا ازالہ اور معاملات کی رعایت

امتیازی خصوصیات

فقہِ حنفی کی امتیازی خصوصیات میں سب سے نمایاں فقہِ تقدیری ہے، یعنی ایسے مسائل پر بھی پیشگی غور جو ابھی پیش نہیں آئے مگر آسکتے ہیں۔ اس عادت نے اس فقہ کو مستقبل کے مسائل کے لیے تیار رکھا۔ دوسری خصوصیت رائے و قیاس کی منظم وسعت ہے جو کوفہ کے ماحول کی پیداوار تھی۔ تیسری خصوصیت شوریٰ اور اجتماعی بحث کا نظام ہے: مسائل ایک فرد کے بجائے مجلس میں طے ہوتے، جس سے غلطی کا امکان کم ہوتا۔ چوتھی خصوصیت تدوین کی کثرت ہے: ظاہر الروایہ کی کتابوں سمیت اس مکتب کی کتابی

روایت بہت مضبوط ہے جس سے مسائل کی نقل قابلِ اعتماد ہوئی۔ پانچویں خصوصیت معاملات، معاہدوں اور انسانی ضرورتوں کی گہری رعایت ہے جس کی وجہ سے یہ فقہ تجارت اور شہری زندگی کے مسائل میں خاص طور پر پھیلی اور مختلف خطوں میں سرکاری و عدالتی عمل کا حصہ بھی بنی۔

فقہی منہج

فقہِ حنفی کا منہج چند واضح مراحل میں سمجھا جا سکتا ہے: مسئلہ پیش ہوتا تو سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جاتا، پھر سنت و آثار دیکھے جاتے، پھر اجماع یا قولِ صحابی تلاش کیا جاتا، اور ان سب کے بعد قیاس اور استحسان سے کام لیا جاتا۔ حدیث قبول کرنے میں راویوں کے ضبط اور روایت کے کتاب سے موافقت جیسی شرائط کا خاص لحاظ رکھا گیا۔ مسائل میں علت کی تلاش اور ایک باب کے مسائل کو یکساں اصول پر رکھنے کی کوشش اس منہج کی پہچان رہے۔ اسی طرح مفتیٰ بہ اقوال کی ترتیب، یعنی امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے اقوال میں ترجیح کے قواعد، بعد کے حنفی علماء نے مرتب کیے تاکہ فتویٰ میں انتشار نہ ہو۔ یہ منہج اس بات کی مثال ہے کہ کس طرح ایک مکتب اپنے اصولوں کو محفوظ رکھتے ہوئے صدیوں تک منظم رہ سکتا ہے۔

اشاعت اور اثرات

فقہِ حنفی کی اشاعت میں اس کے شاگردوں، قاضیوں اور بعد کے علماء کا بڑا حصہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قاضی القضاۃ بننا اس فقہ کو عدالتی نظام سے جوڑنے کا سبب بنا اور مختلف سلطنتوں کے دور میں یہ فقہ وسیع علاقوں میں رائج رہی۔ تاہم اس جواب کا مقصد تاریخی دعوے گننا نہیں بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ کسی فقہ کی اشاعت کے پیچھے اس کا منہج، اس کی کتابیں اور اس کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت کارفرما ہوتی ہے۔ فقہِ حنفی نے اصولِ فقہ کی تدوین میں بھی گہرا اثر ڈالا؛ حنفی اصولیوں نے دلائل، عام و خاص اور تعارض و ترجیح کے مباحث کو خاص انداز میں مرتب کیا جو آج بھی نصاب کا حصہ ہے۔ اس طرح یہ فقہ محض مسائل کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل علمی روایت ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ فقہِ حنفی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور کوفہ کی علمی روایت سے تشکیل پانے والا وہ منظم مکتب ہے جس کے بنیادی اصول کتاب، سنت، اجماع، قیاس، استحسان اور عرف ہیں۔ اس کی امتیازی خصوصیات فقہِ تقدیری، اجتماعی شوریٰ، مضبوط تدوین اور معاملات کی رعایت ہیں اور اس کا منہج نص سے آغاز کر کے ترتیب وار اجتہادی ذرائع تک پہنچنے کا ہے۔ اس تعارف کو سمجھنے کے بعد طالب علم کے لیے حنفی کتابوں کا اسلوب بھی واضح ہو جاتا ہے اور دوسرے مذاہب سے اس کے اصولی فرق کو سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اختلافِ مذاہب کو اسی علمی پس منظر میں دیکھنا چاہیے تاکہ بحث احترام اور دلیل کے دائرے میں رہے۔

سوال نمبر 5: عہدِ صحابہ میں قانون سازی کا طریقۂ کار اور اس کے اہم مراحل (20 نمبر)

سوال نمبر 5: عہدِ صحابہ کرامؓ میں قانون سازی کے طریقۂ کار کو تفصیل سے بیان کریں اور اس کے اہم مراحل کی وضاحت کریں۔ (20)

تعارف

عہدِ صحابہ میں قانون سازی کا سوال دراصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات اور وحی کے سلسلے کے اختتام کے بعد نئے پیش آنے والے مسائل کے احکام کس طریقے سے معلوم کیے جاتے تھے۔ یہ دور اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اسی میں وہ عملی منہج قائم ہوا جو بعد میں اصولِ فقہ کی صورت میں مدون ہوا۔ صحابہ کرام کے پاس قرآن مجید موجود تھا، سنت کا ذخیرہ ان کی یادوں اور عمل میں محفوظ تھا، اور نبی کریم ﷺ کی تربیت نے انہیں مسائل کے حل کا ذوق عطا کیا تھا۔ جب سلطنت وسیع ہوئی، نئی قومیں اسلام میں داخل ہوئیں اور انتظامی، مالی اور عدالتی مسائل کی نئی صورتیں سامنے آئیں تو صحابہ نے ایک منظم ترتیب کے ساتھ ان کا حل پیش کیا۔ اس جواب میں اس طریقۂ کار کو تفصیل سے اور اس کے مراحل کو ترتیب وار بیان کیا جائے گا۔

پہلا مرحلہ: کتاب اللہ کی طرف رجوع

قانون سازی کا پہلا مرحلہ کتاب اللہ کی طرف رجوع تھا۔ نیا مسئلہ پیش آتا تو سب سے پہلے دیکھا جاتا کہ قرآن مجید میں اس کے بارے میں کوئی حکم موجود ہے یا نہیں۔ صحابہ قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے؛ انہیں آیات کے شانِ نزول اور سیاق کا براہِ راست علم تھا، اس لیے ان کا فہم محض الفاظ تک محدود نہیں ہوتا تھا۔ اگر حکم صراحتاً مل جاتا تو اسی پر عمل ہوتا اور آگے بڑھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ قرآن کے حکم کی موجودگی میں کسی کی رائے کو اس کے مقابل نہیں لایا جاتا تھا۔ یہ مرحلہ آج بھی ہر استنباط کی بنیاد ہے: اصولِ فقہ میں کتاب کو پہلا ماخذ اسی لیے رکھا گیا ہے کہ صحابہ کا عمل اسی ترتیب کا تھا۔ اس مرحلے کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ احکام کا مرکز و محور ہمیشہ وحی رہی اور انسانی رائے کو اس کا خادم رکھا گیا، حاکم نہیں بنایا گیا۔

دوسرا مرحلہ: سنتِ نبوی کی تلاش

اگر مسئلے کا حل قرآن میں صراحتاً نہ ملتا تو دوسرا مرحلہ سنت کی طرف رجوع تھا۔ صحابہ ایک دوسرے سے پوچھتے کہ کیا اس مسئلے میں نبی کریم ﷺ کا کوئی قول، فعل یا فیصلہ انہیں معلوم ہے۔ بڑے مجمع میں اعلان کر کے بھی پوچھا جاتا تاکہ جس کے علم میں روایت ہو وہ پیش کر دے۔ روایت مل جانے پر حکم اسی کے مطابق دیا جاتا۔ اس مرحلے میں روایت کی تحقیق کا بھی آغاز نظر آتا ہے: راوی کی ثقاہت اور بات کی تصدیق کا لحاظ رکھا جاتا، خصوصاً جب معاملہ اہم ہوتا۔ سنت کی اس مرکزی حیثیت نے امت کو ہمیشہ کے لیے یہ اصول دیا کہ کتاب کی تبیین سنت سے ہوتی ہے اور بہت سے احکام کی تفصیل اسی ذخیرے میں ملتی ہے۔ صحابہ کے اس طرز نے بعد میں علمِ حدیث اور اصولِ حدیث کی پوری روایت کی بنیاد رکھ دی۔

تیسرا مرحلہ: اجماع اور اجتماعی مشاورت

اگر کتاب و سنت میں مسئلے کا صریح حکم نہ ملتا تو تیسرا مرحلہ اجتماعی غور و مشاورت کا تھا۔ خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ اہم مسائل میں کبار صحابہ کو جمع کرتے، مسئلہ پیش کرتے اور سب کی رائے سنتے۔ اگر سب کا اتفاق ہو جاتا تو اسے اجماع کی حیثیت حاصل ہوتی اور وہ حکم پورے نظام میں نافذ کیا جاتا۔ جمعِ قرآن جیسے

بڑے انتظامی و دینی فیصلے اسی مشاورتی طرز کی مشہور مثال ہیں۔ مشاورت کا فائدہ یہ تھا کہ انفرادی غلطی کا امکان کم ہو جاتا، مختلف علاقوں کے تجربات سامنے آ جاتے اور فیصلے کو پوری جماعت کا اعتماد حاصل ہوتا۔ بعد میں اصولِ فقہ میں اجماع کو مستقل حجت کا درجہ اسی عملی روایت کی بنیاد پر دیا گیا اور اس کی شرائط و تفصیل مرتب ہوئی۔

چوتھا مرحلہ: اجتہاد، قیاس اور مصلحت کا لحاظ

جب نص اور اجماع سے بھی براہِ راست حل نہ ملتا تو چوتھا مرحلہ اجتہاد کا تھا۔ صاحبِ استعداد صحابی مسئلے کی علت اور اس کے ملتے جلتے نظائر پر غور کرتا، کتاب و سنت کے عمومی اصولوں اور مقاصد کی روشنی میں حکم اخذ کرتا، اور اس میں امت کی مصلحت اور آسانی کا لحاظ رکھا جاتا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت کی گفتگو اس منہج کی مشہور تمثیل کے طور پر کتابوں میں نقل ہوتی ہے کہ پہلے کتاب، پھر سنت اور پھر اجتہادِ رائے۔ ابتدائی خلفا کا امکان تسلیم کیا جاتا تھا، اسی لیے مجتہد دلیل آنے پر اپنی رائے سے رجوع بھی کر لیتا۔ یہ مرحلہ فقہ کی زندگی اور وسعت کا راز ہے: نصوص محدود ہیں مگر مسائل لامحدود، اور اجتہاد ہی وہ دروازہ ہے جس سے ہر دور کے مسائل کا حل شریعت کے دائرے میں رہ کر نکالا جاتا ہے۔

جدول 1: عہدِ صحابہ میں قانون سازی کے مراحل — ترتیب وار خلاصہ

مرحلہ	ذریعہ	خصوصیت
1	کتاب اللہ	صریح حکم کی موجودگی میں اسی پر عمل
2	سنتِ نبوی	روایت کی تلاش اور تحقیق کے ساتھ رجوع
3	اجماع / مشاورت	کبار صحابہ کا اجتماعی فیصلہ
4	اجتہاد و قیاس	علت، نظائر اور مصلحت کی روشنی میں استنباط
5	نفاذ و قضا	قاضیوں اور عاملوں کے ذریعے یکساں عمل

پانچواں مرحلہ: نفاذ، قضا اور خطوط کے ذریعے رہنمائی

قانون سازی صرف حکم معلوم کرنے کا نام نہیں؛ اس کا آخری مرحلہ اس حکم کا نفاذ اور پورے نظام میں اس کی یکسانیت بھی ہے۔ عہدِ صحابہ میں قاضی مقرر کیے گئے، عاملوں کو ہدایات دی گئیں اور خلفاء کے خطوط کے ذریعے اصول بیان کیے گئے تاکہ دور دراز کے علاقوں میں بھی فیصلے ایک ہی منہج پر ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدالتی خطوط اصولِ قضا کی تاریخ میں خاص مقام رکھتے ہیں، جن میں مساوات، ثبوت اور طریقۂ سماعت جیسے اصول بیان ہوئے۔ مقدمات کے فیصلے آئندہ کے لیے نظیر بنتے اور ان سے نئے مسائل کے حل میں مدد ملتی۔ اس مرحلے نے فقہ کو محض علمی بحث سے نکال کر عملی نظام بنایا اور یہ سبق دیا کہ اچھا قانون وہی ہے جو منصفانہ طریقے سے نافذ بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے فقہی فیصلے آج بھی عدالتی و انتظامی مطالعے میں حوالے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

اس طریقۂ کار کی خصوصیات اور اثرات

اس پورے طریقۂ کار کی نمایاں خصوصیات ترتیب، احتیاط اور جماعت پر اعتماد ہیں۔ کوئی مرحلہ اپنے سے پہلے مرحلے کو نظر انداز کر کے نہیں آتا تھا؛ رائے ہمیشہ آخری درجے میں اور دائرے کے اندر استعمال ہوتی تھی۔ دوسری خصوصیت یہ تھی کہ قانون سازی چند افراد کی ذاتی پسند نہیں بلکہ اہلِ علم کی اجتماعی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ تیسری خصوصیت رائے سے رجوع کی آمادگی تھی جس نے نظام کو جامد ہونے سے بچایا۔ ان اصولوں کے اثرات دور رس ہوئے: اصولِ فقہ کے ابواب — کتاب، سنت، اجماع، قیاس — دراصل اسی عملی ترتیب کی علمی تدوین ہیں۔ بعد کے ائمہ نے اپنے مناہج انہی خطوط پر بنائے اور امت کو مسائل کے حل کا ایک آزمودہ راستہ مل گیا جو قیامت تک کے مسائل کے لیے کھلا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عہدِ صحابہ میں قانون سازی ایک منظم پانچ مرحلوں والا عمل تھا: پہلے کتاب اللہ، پھر سنتِ نبوی، پھر اجماع و مشاورت، پھر اجتہاد و قیاس اور آخر میں قضا و نفاذ کے ذریعے اس کی تکمیل۔ اس ترتیب نے شریعت کے تحفظ اور نئے مسائل کے حل، دونوں کو ساتھ ساتھ ممکن بنایا۔ صحابہ کا یہ منہج محض تاریخ کا واقعہ نہیں بلکہ اصولِ فقہ کی پوری عمارت کی بنیاد ہے۔ طالب علم کے لیے اس مطالعے کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے میں پہلے نص، پھر جماعت کا موقف اور پھر اہلِ علم کا اجتہاد دیکھا جائے اور ذاتی رائے کو ہمیشہ اسی ترتیب کے تابع رکھا جائے۔ یہی وہ توازن ہے جس نے اسلامی قانون کو چودہ سو سال تک زندہ، منظم اور قابلِ عمل رکھا ہے۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com